اورینٹل کالج میگزین، جلد۹۸، شمارہ۱، مسلسل شمارہ:۳۶۷، سال ۲۰۲۳ء

جدید اردو نظم میں واقعۂ معراج بہ طور شعری استعارہ

طاہرہ انعام، پی ایچ ڈی
اسسٹنٹ پروفیسر اُردو
گورنمنٹ کالج برائے خواتین، غلام محمد آباد، فیصل آباد

MI'RAJ'S METAPHORIC TREATMENT
IN MODERN URDU POEM

Tahira Inam, PhD
Assistant Professor of Urdu
Govt. College (W)Ghulam Muhammad Abad, Faisalabad

Abstract

Modern Urdu poem has various metaphoric dimensions. Human, social and metaphysical questions, creation of man and the world, concepts of time and man's religious wisdom created these metaphoric dimensions. One of them is to depict the hidden concepts of Mi'raj un Nabi (PBUH) such as Man's glory and his expected lead to conquest of material and spiritual world as well. Mythical, historical and metaphysical references related to Mi'raj have been illustrated in Urdu poem directly or indirectly, which shows that how these aspects get symbolic expressions through the unconsciousness of poet.

Keywords:
Urdu, Poem, Human, Social, Mi'raj un Nabi, Mythical.

جدید نظم انسانی، سماجی اور مابعد الطبیعیاتی سوالات رکھتی ہے۔ انسان اور کائنات کا وجود، وقت کا بہاؤ اور انسان کے علمی و مذہبی افکار سے متعلق استفہام پایا جاتا ہے۔ شعرا نے اپنے فکری تلازمات میں جہاں کائنات کی تاریخ سے رشتہ جوڑا ہے وہیں ان کا تخلیقی شعور مذاہب و اساطیر سے بھی کسبِ خیال کرتا ہے۔ واقعۂ معراج میں مضمر عظمتِ بشر اور تسخیر کائنات کے تصورات شعری فکر میں کارفرما نظر آتے ہیں۔ شعرا نے نظم میں اس کا اظہار کئی طرح سے کیا ہے۔ بعض شعرا نے بہ راہِ راست معراج اور اس کے مضمرات کو موضوع بنا کر نظمیں کہی ہیں جن کا رنگ روایتی نہیں جدید ہے۔ اسلوب اور فکر کے منفرد تجربات سامنے آئے ہیں اور نظم کے یہ تجربات نعتیہ روایت میں بھی صوری اور معنوی اضافوں کا باعث ہوئے ہیں۔ جدید اصناف سخن کو اپناتے ہوئے آزاد، معرّیٰ اور نثری نظمیں کہی گئیں جن میں جذبہ اور فکر کا امتزاج پایا جاتا ہے۔ مثلاً سرشار صدیقی (۱۹۲۶۔۲۰۱۴ء) کی نظم "معراج" دیکھیے۔ شاعر وقتِ معراج کائنات کی کیفیت بیان کرتے ہوئے بین السطور یہ واضح کرتا ہے کہ عبد و معبود کی قربت کیا معنویت اور وُقعت رکھتی ہے:

ساکت و صامت ہے نبضِ کائنات / ذرّہ و سیارہ و ماہ و نجوم / ساری مخلوقاتِ عالم کا ہجوم / ہے تغیر جن کی فطرت / ان کو ہے حکمِ ثبات / دم بہ خود ہیں / آب و آتش، خاک و باد / سب عناصر، سارے اجزا / بے نیاز امتداد / وقت تھم کر رہ گیا ہے / لمحۂ موجود میں / فاصلے کم ہو گئے ہیں / عبد اور معبود میں / اک طرف ہے خالقِ کون و مکاں / ایک جانب حاصلِ کونین ہے / درمیاں بس پردۂ قوسین ہے (۱)

آسمانوں پر یارِ خوش خرام کے خیر مقدم کا سماں اور آپ ﷺ کی عالی مقامی کو بیان کرنے کے بعد نظم کا اختتام یوں ہوتا ہے:

۔۔۔ رک گیا ہے / دل کی دھڑکن کی طرح / سارا نظام / اور اسی خلوت گہِ انوار میں / روشنی ہے روشنی سے ہم کلام (۲)

ایسی نظمیں بھی کہی گئیں جن میں مراحلِ معراج کا ذکر روایتی اسلوب میں نہیں بل کہ ندرت کے ساتھ اور جمالیاتی اسلوب میں کیا گیا اور رواں دواں ترنم میں ہی فکری نکات کو بڑی سہولت سے پرو دیا گیا ہے۔ عاصی کرنالی (۱۹۲۷۔۲۰۱۱ء) کی نظم "شبِ معراج" اس کا خوب صورت نمونہ ہے۔ فلک کی فضا کے بیان میں مترنم اور شیریں الفاظ و تراکیب نے حسن پیدا کیا ہے۔ مہ و نجوم کی کیفیات بیان کرنے کے بعد شاعر اس رات کو عظمتِ بشر کا مظہر قرار دیتا ہے۔ نظم کے کچھ بند ملاحظہ ہوں:

خودی جو پر کُشا ہوئی   شعاعِ نُور بن گئی

زمینِ خاک سے اُٹھی
ہوئی شکستہ ہر لڑی
بڑھی فلک کو چیرتی
یہ مادّی نظام بھی
خودی اگر ہو خود نگر
زماں شکن زماں شکن

یہ شب ہے رشکِ صد سحر
رسول کی شبِ سفر
یہ شب ہے عظمتِ بشر
یہ نور سے بھی زندہ تر
خودی کی سیر معتبر
بشر کی عظمتِ دگر
عظیم شب سعید شب
عطیّۂ شہِ زمن(۳)

صدیق افغانی کی نظم ’’کمال فن کا سراپا‘‘ میں تصورِ عظمتِ آدم پر معراج النبیؐ کے پس منظر میں ہی نکتہ سنجی کی گئی ہے۔ شاعر کے بہ قول یہ عرش و فرش، کون و مکاں، خلد و دوزخ سب بشر کے زیرِ نگیں ہیں۔ انسان گردشِ ایام کے تصرّف سے انقلاب برپا کر سکتا ہے۔ اس کی پروازِ حدودِ سما سے آگے ہے۔ یہ قُرب و بُعد اور نشیب و فراز اس کے لیے کچھ بھی نہیں۔ بشر کی منزل کوہِ طور نہیں، وہ اس فریبِ نظر کائنات کے طلسمات، دام اور زنجیروں سے ماورا ہو کر عرشِ عظیم تک رسائی پا سکتا ہے:

بتانِ وہم کی تخلیق ، اہرمن کا کمال
کمالِ آدمِ خاکی مقامِ ابراہیم
رواں دواں ہو اگر روح و دل میں جوشِ جنوں
تو کچھ عجب نہیں زیرِ قدم ہو عرشِ عظیم(۴)

زمیں تا فلک ایک طلسم ہوش ربا چھایا ہے۔ یہ آسمان اور خلائیں انسان کے خلوصِ عمل اور عزم کے لیے امتحان گاہ ہیں۔ آب و گِل اور عناصر کے بیچ اس رابطۂ روح و بدن سے مترشح ہے کہ انسان کا وجود کمالِ فن کا سراپا ہے۔ خدا نے آدمی کو وہ خروشِ لامحدود عطا کیا ہے کہ وہ اپنی حدود میں کبھی محدود نہیں ہو سکتا۔ نظم کا اختتام دیکھیے:

عبور کر کے حدودِ تعیناتِ جمال   خدا کا قرب بشر کی خودی کا ہے معراج

اور اس کے آگے خدا کیا ہے آدمی کیا ہے   یہ عقدہ نطق و بیاں کا ہے آج تک محتاج

بلند و افضل و اکمل بشر سے کوئی نہیں

مقام دُور حدودِ نظر سے کوئی نہیں(۵)

شعرا نے معراج کے لامحدود ابعاد کو مظاہر فطرت کے مطالعے کے ذریعے بھی سمجھنے کی کوشش کی ہے۔ واقعۂ معراج عمل میں آیا تو بعد ازاں اس کے اثرات کائناتِ ارض و سما میں تا ابد قائم رہنے والے ہیں۔ یہ امر عظیم انسان اور کائنات کے تعلق کی گواہی ہے جس کا ادراک اور احساس کسی خطے یا عہد کا پابند نہیں۔ صہبا اختر (۱۹۳۱۔۱۹۹۶ء) کی نظم "نُور کی پرچھائیاں" اس کی مثال ہے:

ایک دشتِ بے کراں سا آسماں / اور دشتِ بے کراں میں صورتِ ماہ و نجوم و کہکشاں / جا رہے ہیں رات کے یہ بادپا گھوڑے کہاں / ان کے سر پر کیوں تنے ہیں بجلیوں کے سائباں / کیسے گھوڑے ہیں کہ جن کو پر لگے ہیں بے گماں / اور یہ گھوڑے پرندے ہیں اگر تو اے سمائے بے کراں / کن خلائی شاخساروں میں ہیں ان کے آشیاں / اک ستارے نے کہا یہ ناگہاں / جو براقِ سیّدِ افلاک تھا / سب اسی کا عکسِ ضو نہیں / سب اسی کے نُور کی پرچھائیاں(۶)

واقعۂ معراج میں اللہ نے جو برتری اور تقرّب آں حضور ﷺ کو عطا فرمایا وہ آں حضور ﷺ کا اعزازِ خاص ہے اور خاتم النّبیین کی جداگانہ شانِ رسالت کا مظہر ہے۔ اس پہلو کو بھی نظم کا موضوع بتایا جاتا رہا ہے کہ ذاتِ مصطفیٰ ﷺ کی وسعت اور ہمہ گیری کو اُجاگر کیا جا سکے۔ عزیز احسن (۱۹۴۷ء) کی نظم "رمزِ معراجِ مصطفیٰ" ملاحظہ ہو:

رات کے چھوٹے سے حصے میں سفر تا آسماں / صرف آقا کے لیے دنیا میں ممکن ہو سکا

مصلحت یہ تھی کہ وہ دیکھیں سبھی آیاتِ حق / اور دیں انسان کو سارا علم خود دیکھا ہوا

عالمِ انسانیت میں صرف اک انساں ہیں آپؐ / جن کو ان کے ربّ نے خود دیدار کا موقع دیا

علم کے عین الیقیں تک وسعتیں دیکھے کوئی / روشنی آفاق کی ہے مصطفےٰ تا مصطفےٰ(۷)

امجد اسلام امجد (۱۹۴۴۔۲۰۲۳ء) نے بھی اس اختصاص کو بیان کیا ہے کہ کائنات کے نظام میں یہ خاص عمل محض آپؐ کی خاطر وقوع پذیر ہوا۔ نظم "شبِ معراج" کے چند اشعار یہ ہیں:

ہے یوں تو ایک گردش پیہم میں کائنات
جتنے نجوم اور ہیں سیارگاں یہاں
روزِ ازل سے ان کے لیے حکم ہے یہی
"سب اپنے اپنے دائروں میں گھومتے رہیں
کوئی کہیں رکے گا نہ بدلے گا راستا"
سو آج تک اسی طرح جاری ہے یہ نظام
ہر شے اپنی حد کی اور اوقات کی غلام
لیکن وہ ایک رات کہ جس رات میں کہیں
ٹھہرا تھا وقت صاحبِ معراج کے لیے
اور اس کے ساتھ ساتھ ہی ٹھہری تھی کائنات
جانے وہ کتنا وقت تھا کیسا تھا وہ مقام(۸)

معراج کی یہ دولت آدمِ خاکی کے ذہن پر علوم وفنون کے نئے در وا ہوئے جو اس کے آئندہ ارتقا کی تعبیر بن گئے۔ یہ موضوع بہ صد انداز شعر و ادب کا موضوع بنا۔ سید ابوالخیر کشفی (۱۹۳۲ـ۲۰۰۸ء) کی نظم "قصیدہ بردہ شریف کا ایک نقش" کا ٹکڑا درج ذیل ہے:

---یہ تارے، کہکشاں نجم سحر، خورشید خاور آج تک ہم دم
اسی معراج کی افسانہ خوانی کرتے جاتے ہیں
فضائے بے کراں میں ذرّۂ خاکی
اسی معراج کے نقش کہن کو ڈھونڈنے نکلا
گروہِ مسلمیں آگے بڑھو، تاروں کو اب چھُولو
زمیں کی پستیوں کو آسماں کر دو(۹)

اختر حسین جعفری (۱۹۳۲ـ۱۹۹۲ء) کی "وہ نرم لہجے میں بولتا تھا" کے اس ٹکڑے میں معراج کا ذکر جدید تر لہجے اور اسلوب کا مظہر ہے:

---یہ مالکِ عصر دیکھنا کون ہے کہ جس کے خطوط پرکار

قاب قوسین کے پُلوں سے

تکیل تھامے ہوئے ازل کی ابد کا محمل گزر رہا ہے(۱۰)

جلیل عاؔلی (۱۹۴۵ء) کی منفرد نظم ''نور نہایا رستہ'' ایک منفرد تفکراتی فضا کی حامل ہے۔ آپؐ کی ذات اس نظم کا مرکزی کردار ہے جس سے وابستہ معیاراتِ عالیہ انسانیت کو تکمیل کی دعوت دے رہے ہیں۔ مختصر بلیغ اشاروں میں سیرتِ رسول ﷺ اور حیاتِ رسول ﷺ کے گوناگوں پہلوؤں کو بیان کرنا شاعر کا فنی کمال ہے۔ معراج سے متعلقہ اشعار درج ذیل ہیں:

اس کے نقوشِ پا کی ضیا سے　　　روشن کاہکشاں سا رستہ
اس کے خرامِ نور فزا سے　　　شب زاروں میں چمکا رستہ
اک کردار کہ جس کے ناطے　　　دل سے دل تک پہنچا رستہ
اک رفتار کہ صدیوں والا　　　پل دو پل میں نمٹا رستہ(۱۱)

فرشِ غارِ حرا سے لے کر　　　عرشِ علیٰ تک جاتا رستہ
اس کے سفر کی سمت مطابق　　　وقت نے اپنا بدلا رستہ(۱۲)

صلاح الدین پرویز(۱۹۵۲-۲۰۱۱ء) نے اپنی نظموں کے مجموعے کو **خطوط** کا نام دیا ہے۔ جس کے ایک حصے میں ''رسول اللہ کے نام چند خطوط'' کی ذیل میں آٹھ خطوط یعنی نظمیں درج کی ہیں۔ یہ طرزِ اظہار بالکل انوکھا ہے، جس میں ندرت بھی ہے اور بے پایاں عقیدت بھی۔ ان کا تخلیقی شعور تاریخی واقعات کو تقدّس اور شعریت سے آمیز کر دیتا ہے۔ خط نمبر آٹھ میں سفر معراج کے اشارے موجود ہیں اور یہ واقعہ کائنات کے ہر منظر، فطرت کے سب مظاہر کی روح میں جاگزیں نظر آتا ہے:

دشت شب یک روز / کہ سب عزوعلا اک عالم غل میں جلتے رہے / بے تابی گل ٹوٹی بھی نہیں اور سارے مکاں چلتے بھی رہے / ناؤ تھی کوئی بادل سے بنی ایک عرصۂ گُل پہ بہتی رہی / ایک بلبل لب خاموشی سے باراں رم جھم برساتی رہی / ایک عالمِ ہو تھا زیرِ زمیں، یک سکتہ شب میں ڈوبا ہوا / تھا فرش زمیں پر پھولوں کا عرشیلا مکاں دستک سے بندھا / زندہ زندہ

اے سیرِ ازل! / سامانِ سفر آنسو سے بھرا، ہنستا بھی ہوا / اے سیرِ ازل! / وہ رختِ سفر / اک درِّ ثمیں تھا آتش وش / نے رخش تھا پھر بھی رقص میں تھا / لگتے تھے گل و مل گلدستہ / انجم سے ملائک پیوستہ / وہ حُور نظر تا حد ادب رستہ تھا بنا شیشہ بہ صدف / ساقی تھا ہر اک منظر منظر، پیتا تھا مے بے جام صفت / یہ آتش دل کی بستی ہے / یہ کون مسافر رکتا ہے / جلتا ہے نگین خاتم دل، آہٹ کا سایہ جلتا ہے / جلتا ہے ہر اک ذرّہ ذرّہ "ہے" جلتا ہے "لا" جلتا ہے / اک آگ کا پردہ اُٹھتا ہے / اک پردہ نشیں بے تابانہ / خود کاسۂ دل چھاؤں کا بنا / بھر لیتا ہے اک پیاسے مسافر کو اپنی / آتش سے بھری تنہائی میں

پھر ابر دھڑکتا ہے زوروں / اور سب جل تھل ہو جاتا ہے
جل تھل جل تھل　　　جل تھل جل تھل
جل تھل جل تھل　　　جل تھل جل تھل(۱۳)

اس مجموعے کے آخری خط یعنی نظم کا نام بھی "محمد رسول اللہ" ہے۔ اس آزاد نظم کے پانچ بند ہیں جن میں واقعۂ ہجرت، سراپائے مبارک، غزواتِ نبوی اور معراج کی طرف اشارے ہیں نظم کا تیسرا بند یوں شروع ہوتا ہے:

"۔۔۔ وہ اب پہاڑی پہ آگیا تھا / کہ منتہیٰ تھی سہیلی اس کی / ہوا نے دیکھا / تھکی ہوئی سانس کی تہوں سے / اسے پکارا / سمندروں کے غلاف آنکھیں / صداؤں کی بے حساب سانسیں / سمٹ کے اس کے قریب آئیں / ہوا تھا لیکن ہوا نہیں تھا / صدا تھا لیکن صدا نہیں تھا / خدا نہیں تھا خدا نہیں تھا / وہ میٹھے پانی کا ایک جھرنا / خدائے برتر کا آئینہ تھا / وہ جا چکا ہے / وہ جا چکا ہے / وہ موتیا جیسے پاؤں والا / وہ چمپئی چاند نور والا / وہ بیلیا وہ مرا پیارا / اسے بلاؤ کہ ٹوٹ جاؤں میں اس کی آنکھوں میں نیند بن کے / اسے بلاؤ کہ پھوٹ جاؤں میں اس کے سینے میں بوند کے / وہ جا چکا ہے / وہ جا چکا ہے / وہ راہ اسریٰ کا کبریائی / وہ شاہ معراج وہ خدائی / وہ جا چکا ہے / مگر یہ گھر کیسا گھر ہے اس کا / یہ کیسا گھر ہے / مہک رہا ہے / یہ کیسا بستر ہے / جل رہا ہے / یہ اسپ از حد مکان والا / ابھی تلک سامنے کھڑا ہے / عبادتوں سے بنا پرندہ / ابھی تلک آنکھ مل رہا ہے / صدا صدا بے صدا فقیری / ہوا کے کاندھوں پہ چل رہی ہے / مگر بدن ڈر رہا ہے اس کا / صدا صدا بے صدا فقیری / ہوا ہوا، بے ہوا سواری / بدن بدن، بے بدن نمازی / خموش خاموش بے خموشی / وہ جا چکا ہے / وہ جا چکا ہے / کواڑ کی نرم گرم دستک / ابھی تلک اس کی منتظر ہے(۱۴)

رشید نثار (۱۹۲۷۔۲۰۱۳ء) کی نظم "آج" کا فکری محور مناظرِ معراج ہیں۔ نظم کا آغاز نہایت خوب صورت ہے:

رات بیدار ہے کونین کی آنکھیں روشن
ہر طرف نورِ صدا رنگ ہے لمحہ لمحہ(۱۵)

شاعر منازلِ عشق و عرفان کا بہ ذریعہ معراج منکشف ہونا، استعاروں کنایوں میں بیان کرتا ہے۔ اس منصبِ عظیم نے آدمیت کا وقار واضح کر دیا۔ مرتبۂ انسان کائنات پر آشکارا ہو گیا۔ بشر خاکی عناصر کی قید سے مبرّا ہو گیا۔ عظمتِ انسان کا فسانہ عام ہوا۔ طلسم زمان و مکاں کی بے مائگی ظاہر ہوئی۔ وقت اور مقام کا حصار اضافی شمار ہوا۔ نگاہِ عصر پہ نئی راہیں اُجاگر ہوئیں۔ لامتناہی امکانات کا در کھل گیا:

آج انسان کی آنکھوں سے سحر پھوٹی ہے
جاگ اُٹھا ہے جنوں شعلۂ احساس ضمیر
پھر فروزاں ہے خودی رنگ کتاب تصویر
پھر بیاں ہونے لگی میری انا کی تفسیر
آج زنجیرِ غلامی کی صدا ٹوٹی ہے(۱۶)

یعقوب لطیف کی نظم ”خلاباز اور بوریا نشیں“ ایک فکر انگیز نظم ہے۔ اس نظم میں ڈرامائی اور مکالماتی انداز میں خلا سے آگے یعنی لامکاں سے متعلق تجسس کا اظہار اور انکشافات کی کوشش نظر آتی ہے۔ انسان کی عقل و دانش نے ہمیشہ سعی کی ہے کہ گماں سے آگے کے حقائق کو دریافت کر لے۔ کائنات کے سرِ تخلیق کو جانے، لیکن انسان کی محدود سوچ اور نظر اسے اسیر گمان رکھتی ہے۔ وہ اس نورِ بصیرت کا حامل نہیں کہ اس بشر کے مقام کو کماحقہٗ جان سکے جو ناظرِ لامکاں ہے۔

نظم میں بوریا نشیں کا ایک مکالمہ ملاحظہ کیجیے:

روح کیا چیز ہے فہم ہے کیا — کیا وجود ان کا بھی اک گماں ہے
آنکھ اُنھیں دیکھ لیتی مجسم — آنکھ کو اتنی قدرت کہاں ہے
آدمی کی سمجھ کیا نظر کیا — اور ملک خدا بے کراں ہے
ہے زمان مکان سے مبرّا — بزم نورانیاں لامکاں ہے
لامکاں میں ہے واقع جہنم — اور آباد باغ جناں ہے
سدرۃ المنتہیٰ انتہا ہے — آ گے کوئی فرشتہ کہاں ہے

بعد میں قب قوسین ہے جو　　پایۂ تخت خدائے زماں ہے
واحد و لاشریک اس کی ہستی　　صرف وہ ہے کہ جو جاوداں ہے
لے کے پیغام جبرئیل آئے　　اے محمدؐ! خدا مہرباں ہے
اذنِ معراج تم کو مبارک　　یہ سفر ارض تا لامکاں ہے
ایک لمحے میں طے کی مسافت　　اس نے جو رہبر رہبراں ہے
اس جگہ میہماں تھے محمد　　جس کا شاہد تو خود میزباں ہے
جس کی قرآن نے تصدیق کی ہے　　ناسمجھ ہی کہے گا گماں ہے

روشنی مانگ دل کی نظر سے
دیکھ آگے بھی حدِّ خبر سے(۱۷)

عمیق حنفی (۱۹۲۸ء) نے ''صلصلۃ الجرس'' میں سیرت النبیؐ کو جدید شاعری کے اوصاف کی حامل نظم کی صورت میں پیش کیا ہے۔ یہ جدّت اظہار و بیان، آہنگ اور عروض میں تنوع کے باعث پیدا ہوتی ہے۔ عمیق حنفی نے فن کارانہ حساسیت کے ساتھ عشق و عقیدت کو نئی شعری تکنیک میں ڈھالا ہے۔ قاری کے لیے اس فن پارے میں قلب و نظر کی تسکین کا سامان ہے جس کی بنیاد اس تجربے پر ہے کہ قاری اُن کے پیش کردہ تناظرات میں ماضی و حال کا منظرنامہ، مستقبل کے امکانات، مذہب و اساطیر کے حوالے سے طلوع و عروجِ اسلام کے مراحل کو دھڑکتا ہوا محسوس کرتا ہے۔ ایک دردمند دل حیاتِ رسول ﷺ کی تابندگی اور تبلیغِ اسلام کی سعیِ عظیم کے اُفق سے انسانی تاریخ کے منتشر اور زوال آمادہ مناظر پر نظر ڈالتا ہے تو وسیع تعمیری کرب اس کے تخلیقی سانچے میں ڈھلتا ہوا محسوس ہوتا ہے۔ یہ نظم ہیئت کے اعتبار سے وسعت کا حامل تجربہ ہے۔ شاعر کی لفظیات، صوتیات، تمام تر جدید لسانیات کی عکاس ہیں۔ نظم میں واقعۂ معراج کے بیان کا آغاز یوں ہوتا ہے:

طلسم عناصر تمام
زمیں کی کشش خام
بہر گام بکھرے ہوئے ہیں
دشاؤں کے دام(۱۸)

گویا زمان و مکاں سے ماورا ایک امر کے بیان کے لیے فضا تیار ہو جاتی ہے۔ پھر شاعر شقِ صدر کا ذکر تاریخی اور سائنسی دونوں حوالوں سے کرتا ہے۔ براق کی ماہیئت بیان کرتا ہے۔ بیت المقدس پہنچنے اور پھر سفر آسمانی کے شروع ہونے کا ذکر کرتا ہے۔ انبیا سے ملاقات، آسمانوں پر مشاہدہ کیے گئے مختلف فرشتوں کی صورتیں، سدرۃ المنتہٰی کا بیان، جب حجابِ جلال و حجابِ کمال نظر آنے لگا جبریل ٹھٹک کر کھڑے ہو گئے اور حضور اکیلے ہی آگے بڑھے، معراج کے بیان کا آخری حصہ دیکھیے:

۔۔۔اُٹھے سب حجاب / قریب آ گیا عرش اب فاصلہ قاب قوسین کا بھی نہیں / کہ گویا مقامِ فنا آ گیا / وہ سیلابِ انوار سورج بھی شرما گیا / کئی لاکھ سورج / مگر روشنی چاندنی مثل کافور / نہ ٹیڑھی ہوئی وہ نگاہ / نہ حد سے تجاوز کیا / لگا جیسے دو ہاتھ دل اور شانے کی جانب بڑھے / مشاماتِ جاں میں پگھلنے لگے برف کے کوہسار / سرور اور سکون اور راحت کا یہ انتہائی مقام / سفر وہ مکاں کا زماں کا / سفر لامکاں کا / ہوئی ریزہ ریزہ رصد گاہِ ادراک / ہوئے ذرہ ذرہ تمام آئینہ خانہ ہائے حواس / بہر گام بکھرے ہوئے ہیں دشاؤں کے دام / زمیں کی کشش خام / طلسمِ عناصر تمام (۱۹)

واقعۂ معراج کی مذہبی اساس سے قطع نظر اس سے تخلیق پانے والا ادبی اظہار زمان و مکاں سے ماورا ایک کائنات کی تصویر کھینچتا ہے جس کے اظہار میں ایک تہذیبی تاریخ سموئی ہوئی ہے۔ جسمانی اور روحانی کیفیات کے بیان میں بھی شعرا نے ہر عہد میں اپنے تہذیبی عناصر سے لاشعوری یا شعوری مدد لی ہے۔ معراج میں رسولِ کریم ﷺ کے سوا دیگر تمام مخلوقات غیر بشری ہیں جن کی حقیقت و ماہیت تک انسان کُلی طور پر رسائی نہیں رکھتا۔ معراج کے بیان میں ان سب کی عکاسی بہ زورِ تخیل کی جاتی ہے۔ نیز یہ کہ معراج کا ذکر گویا ایک ایسے زمانے پر مبنی ہے جو ہمارے ماضی، حال، مستقبل سے ماورا ایک الگ زمانہ ہے۔ معراج کی عقلی تفہیم ممکن نہیں۔ اس حقیقت سے ہر انسان واقف ہے۔ واقعاتِ معراج میں جنت و دوزخ کا مشاہدہ بھی شامل ہے۔ روایات میں دست یاب مناظر کے سہارے شعرا نے اپنے تخیل کو پھیلا دیا ہے اور ہر عہد میں اس تخیل کی کارفرمائی نے گزشتہ مناظر میں اضافہ کر دیا ہے۔

جیلانی کامران لکھتے ہیں:

> ”ادبی تنقید کے مطابق ادب یا تو عکاسی ہے یا کشف ہے اور یہ دونوں باتیں انسانی تہذیبی شعور کی عدم موجودگی میں کام نہیں کر سکتیں۔ عکاسی کا دائرۂ کار حاضر اور موجود میں ہے، کشف کا دائرۂ کار مستقبل میں ہے۔ معراج میں انسان کے ماضی، حال اور مستقبل کو ایک لمحے میں جمع کر کے ایسے انداز میں پھیلایا گیا ہے کہ یہ تینوں زمانے، زمانے سے الگ ہو کر

> قائم بالذات ہو گئے ہیں اور جس بلند ترین مقام سے رفت و بود اور آئندہ کو دیکھا گیا ہے، وہاں صرف "ہست" ہی کا لفظ سنائی دیتا ہے۔ معراج کا واقعہ "ہست" کی ایک ایسی تفسیر ہے جہاں ہر شے کی نیستی سے خدا کی ہمیشگی کا اقرار کیا گیا ہے۔"(۲۰)

وہ منظومات جن میں واقعۂ معراج بہ راہِ راست موضوع نہیں بل کہ معراج سے وابستہ افکار وتصورات کو موضوعِ سخن بنایا گیا ان میں نمایاں رجحان تصورِ عظمت بشر یعنی مادّی کائنات پر انسان کے تفوّق کے اظہار کا ہے اور شعرا کے پیرایۂ اظہار میں صاف جھلکتا ہے کہ ان خیالات کی بنیاد اسلامی تصور معراج پر ہے۔ عبد العزیز خالد (۱۹۲۷۔۲۰۱۰ء) کی ایک نظم "اے خاک کے پتلے" ملاحظہ ہو:

اے خاک کے پتلے کبھی اپنے پہ نظر کی — کس قطرہ ناچیز سے تخمیر ہے تیری
کر چھان پھٹک پہلے حجابات خودی کی — پھر پوچھ ہر اک شے سے طلسمات خُدائی
پہلے تو سمجھ سوچ پرکھ اپنی حدوں کو — بر قا دل تیرہ کو اُجال اپنی شبوں کو
پھر کھینچ کف دست میں تاروں کی لووں کو — تقدیر کو دے مات کر افلاک کو تسخیر
سیّار و ثوابت پہ اڑا رفرفِ تدبیر — مہتاب کی وادی کو بنا روکشِ کشمیر
ہر طاق منور کر ہر کوچہ مصوّر — ہستی سے عدم کی طرف آہستہ سفر کر(۲۱)

امین حزیں سیالکوٹی (۱۸۸۴۔۱۹۶۸ء) کی نظموں میں اسی سوچ کی بازگشت سنائی دیتی ہے۔ الفاظ وتراکیب کا چناؤ، شعری خیالات کے کلیدی الفاظ معراج النبیؐ سے مستنیر ہیں:

فرشتے شوق سے لینے لگے ہیں نام ترا
اب ان کی آنکھ سے اوجھل نہیں مقام ترا
تری نمود کی فطرت بھی ہو گئی قائل
تو ہی امام ہے کوئی نہیں امام ترا
غرورِ وسعت و پہنائیِ مکاں ٹوٹا
بچھا ہوا نہیں کیا لامکاں میں دام ترا
شراب عشق ترستے ہیں جس کو آفاقی
اسی سرورِ مجسم سے پر ہے جام ترا

مجال کس کی ہے اتنی کہ تیرے منہ آئے
بلا سکوت، قیامت ہے اک کلام ترا
اسی مقام کو کہتے ہیں "عبدہٗ" کا مقام
خدا حبیب ترا ما سوا غلام ترا(۲۲)

نظم "طلسم تضاد" خدا اور بندے کے مابین مکالمہ ہے جس میں بندے کو اپنی ماہیت پر غور کرنے اور امکانات کو دریافت کرنے کی دعوت دی گئی ہے:

پہلے اپنی ماہیت پر کر نظر — تو نہیں ہے خاک ہی خاک اے بشر
خاک کے پتلے نہیں مسئول تو — تیری بپتا ہیں ترے فکر و نظر
پوچھتا ہے کون خالی سیپ کو — دیکھتے یہ ہیں کہ ہے کیسا گہر
خاک کو تخئیل نے چمکا دیا — ظلمت شب ہو گئی نُور سحر
یہ جو ہیں قیدِ مکاں قیدِ زماں — دست رس ان کا ہے خالی خاک پر
جوہر تخلیق یعنی امر ربّ — لامکانی چیز ہے اے بے خبر

اے امین امر رب خاکی نہاد
خود تری تخلیق ہے جمع تضاد

لامکانی جوہرِ آزاد ہے — اور مکانی خوگرِ فریاد ہے
لامکانی قمریٔ فردوس ہست — اور مکانی بستہ پا شمشاد ہے
لامکانی ہے ھدیناہ السبیل — اور مکانی صورتِ افتاد ہے
جس کو یزداں گیر کہتے ہیں ملک — لامکانی ہی وہ اک صیاد ہے(۲۳)

اسی طرح نظم "احوال ومقامات" کے یہ اشعار دیکھیے:

ہو غرقِ یمِ نور دل کا سفینہ__ کبھی آئینہ اور کبھی چشمِ بینا__ کبھی دستِ بیضا کبھی طور سینا
یہی ہے مقام حریم حضوری
خودی کی بلندی وہ معراج دل کی__ غنی ہے نظر جس سے محتاج دل کی__ غرض ہاتھ میں جس کے ہے لاج دل کی
حقیقت میں ہے جادۂ ناصبوری

وفور محبت سے مجبور ہونا__ مئے شوق سے مست و مسرور ہونا__ انا الحق سراً مثل منصور ہونا
ہے عشاق کی منزلِ بے مقصوری
کفِ خاک بے باک ہو دیدہ ور ہو__ خود آگاہ ہو خود گر و خود نگر ہو__ زمیں پر قدم آسماں پر نظر ہو
کہ لاریب منشائے فطرت یہی ہے (۲۴)

الم مظفر نگری (۱۹۰۱۔۱۹۶۹ء) نے فنا و بقا کے تصورات اور وادیٔ عشق کے اطوار بیان کیے ہیں۔ بزم شوق میں سوز و ساز کو اثر گیری فقط خونِ جگر سے ملتی ہے۔ عشق کا قافلہ سر گرم ہو تو یہ چرخ بھی اس کے لیے گرد راہ ہے۔ نظم "عزیمت دعوت" کے چند اشعار یہ ہیں:

رکتا نہیں جو سرحد افلاک پہ جا کر
لے جاتی ہے تا عرش اسے گرمی پرواز
اہمیتیں ایوانِ طلسمی کو نہ تُو دے
یہ گنبدِ نیلی تو ہے اک حدِ تنگ و تاز
معراج محمدؐ کی حقیقت کو سمجھ لے
تھی صرف وہ اک نالۂ شب گیر کی آواز

پھر گرمِ سفر قافلۂ عشق ہوا ہے
یہ چرخ نہیں اس کی ہے گرد رہِ پرواز

شہباز ہے تو بامِ ہویت سے گزر جا
یہ عرش کی چوٹی تو ہے اک نقطۂ پرواز (۲۵)

انسان اپنی ذات میں کامل ہو اُس کی زندگی کی بنیاد عشق پر ہو تو وہ ہر فنا سے آزاد ہو جاتا ہے۔ کائنات کا نظم و انتشار اس کی ذات سے منسلک ہے۔ خودی کے تصرّف کا یہ بیان نظم "آزادِ ہر فناہوں میں" کے ان اشعار میں دیکھیے:

وقارِ عالمِ تقدیس ہے مرا عرفاں
مری خودی کے تصرّف میں ہے نظامِ جہاں
ہزار حشر بدامن ہے میری آہ خموش
نفس نفس ہے مرا موجۂ پیامِ سروش
مرے جلو میں رواں ہیں فرشتگانِ جلیل
مجھے نصیب ہے ہر لمحہ سایۂ جبریل(۲۶)

نظم ''صفیرِ خودی'' میں بھی انسان کے دلِ ہنگامہ زا، جوشِ نفس اور شوقِ بے پروا کا ذکر ہے۔ انسان کا جذبۂ شوق ہزار طوفان و انقلاب کی بنیاد بن سکتا ہے۔ یہی آرزومندی اور تب و تاب اسے فرشتوں سے بہتر بناتی ہے:

میرے دم سے ہے ضیائے ماہ و انجم کا وجود
وسعتِ افلاک کو خورشید زا رکھتا ہوں میں
فیضِ ادراکِ صفاتی پر نہ ہو کیوں مجھ کو ناز
عالمِ جبروت کو حیرت فزا رکھتا ہوں میں

دُور ہے وہ دست رس سے شہپرِ جبریل کی
جس بلندی پر مقامِ کبریا رکھتا ہوں میں(۲۷)

اثرؔ صہبائی(۱۹۰۱۔۱۹۶۳ء) کی ایک نظم سے اشعار دیکھیے:

یہ میرا پیکرِ خاکی ہے نور در آغوش
ہے ذرہ ذرہ مرے دل کا طور در آغوش
یہ کس کے حسن سے روشن ہوئی نگاہ مری
کمندِ ہر دو جہاں ہو گئی نگاہ مری
یہ کس کا نُور جبیں میں مری چمکتا ہے
کہ جبریلؑ بھی حیرت سے اس کو تکتا ہے(۲۸)

اُردو نظم میں انسان اور مادی و روحانی دنیاؤں کے متعلق بے شمار سوالات، تصورات، امکانات کی بازگشت سنائی دیتی ہے۔ وقت کی ماہیت، وقت کا بہاؤ وقت کی اعتباری یا مستقل کیفیات ذہنِ انسانی کے لیے ہمیشہ تجسس اور تحقیق کا موضوع رہی ہیں۔ جدید نظم نگاروں نے ان موضوعات پر بات کرتے ہوئے بعض اوقات شعوری یا لاشعوری طور پر ایسے تلازمات کو مَس کیا ہے جو واقعۂ معراج سے اخذ و اکتساب کا نتیجہ معلوم ہوتے ہیں۔ مختلف شعرا کی نظموں سے چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

کوئی دیتا ہے بہت دور سے آواز مجھے
چھپ کے بیٹھا ہے وہ شاید کسی سیارے میں
نغمہ و نُور کے اک سرمدی گہوارے میں
دے اجازت جو تری چشمِ فسوں ساز مجھے
اور ہو جائے محبت پرِ پرواز مجھے
اڑ کے پہنچوں میں وہاں روح کے طیارے میں
سرعتِ نُور سے یا آنکھ کے پلکارے میں
کہ فلک بھی نظر آتا ہے درِ باز مجھے(۲۹)

(ن۔م راشد)

بڑا پُرہول رستا تھا / بدن کے جوہرِ خفتہ میں کوئی قوت لاہوت مدغم تھی
شش جہت کے سب عناصر زور سے پیچھے ہٹے تھے / اور میں آگے ہزاروں کوس بڑھ گیا تھا
اک عجب رفتار میری آگ میں تھی / کس قدر پُرہول رستا تھا
پڑاؤ کے لیے کتنے جزیرے درمیاں آئے / زمیں مڑ مڑ کے آئی اور اک اک کر کے ساتوں آسماں آئے
مسلسل چل رہا تھا میں / ہوا میں ڈھل رہا تھا میں
مساموں سے شعاعِ بے نہایت پھوٹی پڑتی تھی / ابد کا اک جڑاؤ تاج میرے سر پہ رکھا تھا۔۔۔(۳۰)

(بڑا پُرہول رستا تھا: رفیق سندیلوی)

احمد ندیم قاسمی (۱۹۱۶۔۲۰۰۶ء) کی نظموں میں مرکزی موضوع انسان ہے۔ انسان کے عروج وزوال، عرفان و ایقان، تذبذب اور انتشار سبھی کچھ ان نظموں کا موضوع ہے۔ معلوم و نامعلوم کے مابین

بھٹکتا ہوا سراسیمہ انسان بھی دِکھائی دیتا ہے جو حریمِ حسن تک پہنچنے کے لیے مضطرب ہے راہِ عشق میں اُٹھاتے ہوئے روحانی کشف و ریاضت کا سہارا بھی تھامتا ہے۔ خوف و ہراس سے نکلنا چاہتا ہے۔ شعور کے مسائل، انسان کے مادی ارتقا اور ذہنی خلا کی تعلیل بھی ندیم کی نظموں میں سنائی دیتی ہے۔ یہ انسان وقت کے ہاتھوں آگہی پایا ہوا انسان ہے جو اپنے مقامِ اوّلین پہ لوٹ جانے کو مستعد ہے۔ اس کی پرواز کی ابتدا ہی سے ستارے لرز رہے ہیں۔ آسمان کا خلا اس کی منزل نہیں بل کہ وہ اپنی جنت گم گشتہ کو پالینا چاہتا ہے۔

حیاتِ انسانی کے ظاہر و باطن اور نشیب و فراز پر غور کرتے ہوئے، پسِ کائنات مستور حقائق کو جاننے کی سعی کرتے ہوئے، کائنات کے مادی حصار سے نکل کر فردا پہ کمند ڈالنے کا پیام دیتے ہوئے، انسانی ذہنوں کی تاریخ بیان کرتے ہوئے شاعر کا تخیل وہی کڑیاں ملانے لگتا ہے، جن کا ماخذ واقعۂ معراج ہے۔ اکثر نظموں کے اشعار اور مصرعے معراج کے متعلقات سے استعاراتی فیض پا رہے ہیں۔

آج اس اوجِ پہ انساں ہے جہاں تک نہ اُٹھا
بال جبریل کا کیا ذکر ، خیالِ جبریل(۳۱)

زندگی کے ورق الٹنے لگے
کتنے پردے نظر سے ہٹنے لگے
نوعِ انساں خدا سے جا کے ملی
ابتدا انتہا سے جا کے ملی
ٹوٹتا ہے فضا کا سناٹا(۳۲)

وہ آہنی در جو نصب تھا فرش و عرش کے درمیاں / آخر پگھل رہا ہے / تقدس اور احترام کے مرکزوں سے پہرہ ہٹا ہوا ہے / خدا سے انساں کا ربط / سجدے سے آگے بڑھ کر / معانقے میں بدل رہا ہے (۳۳)

یوں دمادم اُٹھ رہے ہیں قدم / وقت حیران کھڑا سوچتا ہے / طیش میں لاکھ آئیں عناصر / ابنِ آدم کہاں مانتا ہے(۳۴)

انسان کے مادی جسم میں روح ایک ایسا جوہر ہے جس میں وسیع تر امکانات پوشیدہ ہیں اس طبعی دنیا سے نکل کر شاعر کا متخیلّہ ایک ان دیکھی دنیا میں سفر کرتا اور اس کے مشاہدات بیان کرتا ہے۔ وزیر آغا (۱۹۲۲۔۲۰۱۰ء) کی نظموں میں ماورائے عقل دنیاؤں کی کھوج ہے۔ انسان اور انسانیت سے محبت کی تمنا ہے۔ اس کی بنیاد وہ انسان کے ثباتِ وجود پر رکھتے ہیں ان کے ہاں امیجری؛ قدیم و جدید تہذیبی و ثقافتی حوالوں کے ساتھ ماورائی حوالوں سے بھی تشکیل پاتی ہے۔ انسان اور کائنات کی ریخت کا خدشہ ان کے اندر معجزات کی اُمید بھی جگاتا ہے۔ ترفع کی یہ خواہش مختلف استعاراتی پیرایوں میں بیان ہوتی ہے۔ زمان و مکاں سے ماورائیت کا اظہار بھی ملتا ہے، جو اس ظاہری مادی دنیا سے دور کسی دوسرے جہانِ حیرت میں لے جاتا ہے۔ ان نظموں کا بنیادی موضوع کچھ بھی ہو ماورائی عناصر کے بیان میں وہی تلازمات دِکھائی دیتے ہیں جن کا زیرِ نظر موضوع کے تحت مطالعہ ممکن ہے۔ چند مثالیں دیکھیے:

زمیں کی گدڑی کے سارے پیوند / اپنے اندر سمٹ گئے تھے / ستارے اب میرے روبرو تھے / ستارے جیسے کروڑوں اربوں ہمکتے جگنو / کہ زرفشاں تھے / مگر ستارے بھی ہولے ہولے سمٹ رہے تھے / سفر نے بے انت روشنی کا / سفید چوغہ پہن لیا تھا / کوئی بھی رستہ نہیں بچا تھا / سفر حدودِ سفر سے آزاد ہو گیا تھا(۳۵)

قدموں کے تلے میرے / زنجیر تھی لمحوں کی / میرے زرہ بکتر سے / جو کوندا لپکتا تھا / تاروں کے جھروکوں تک / پل بھر میں پہنچتا تھا / میں جسم کے مرقد سے / باہر بھی تھا اندر بھی (۳۶)

حاصلِ کلام یہ ہے نظم میں شعرا نے سیرت پاک ﷺ کی بے کرانی کو اپنے فن کی بنیاد بنا کر بھی لفظ گری کی ہے۔ بلیغ رموز و اشارات جہانِ معنی کے صورت گر ہیں۔ واقعۂ معراج کی زمانی و مکانی جہات سے تصویر کشی علم اور عقیدت سے مرکب انداز بیان تخلیق کرتی ہے۔ نظموں کے مختصر پیکر میں ڈرامائیت، مکالمہ سازی، کردار کی عکاسی، تخیل کی قوت، سبھی کچھ مترشح ہے۔ ادبی حوالے سے اس لازوال معجزے نے حساس اور توانا تخلیقی اذہان کو لازوال اسلوب اپنانے کے لیے ایک تحریک مہیا کی ہے۔ اس واقعے کی لامحدودیت اسلوب کے امکانات کو اور بھی وسیع کر دیتی ہے۔ اگرچہ اس ضمن میں ابھی بے پناہ تجربات نہیں ہوئے لیکن

یہ بابِ سخن نئی راہیں اُجاگر کر رہا ہے۔ چند صفحات پر مبنی یہ جائزہ جدید اُردو نظم کے ایک محدود مطالعے کا ماحصل ہے۔ زیرِ نظر موضوع کے حوالے سے نظم کا وسیع اور کثیر الجہات مطالعہ و تجزیہ ایک ضخیم دفتر کا متقاضی ہے۔ بلاشبہ اس اقدام سے نئے فکری و فنی حقائق منکشف ہو سکتے ہیں۔

☆☆☆☆☆

حوالے

(۱) سرشار صدیقی، میثاق، (کراچی: حرا فاؤنڈیشن، ۲۰۰۲ء)، ۷۳، ۷۴۔

(۲) ایضاً، ۷۵۔

(۳) عاصی کرنالی، جشنِ خزاں، (لاہور: آئینۂ ادب، ۱۹۶۸ء)، ۸۶، ۸۷۔

(۴) نعت کائنات، مرتبہ: راجا رشید محمود، (اصنافِ سخن نمبر)، (لاہور: جنگ پبلشرز، ۱۹۹۳ء)، ۳۹۳۔

(۵) ایضاً، ۳۹۳۔

(۶) صہبا اختر، اقرا، (کراچی: مکتبہ ندیم، ۱۹۸۱ء)، ۵۸۔

(۷) ڈاکٹر عزیز احسن، کلیاتِ عزیز احسن، (کراچی: نعت ریسرچ سنٹر، ۲۰۰۵ء)، ۵۶۹۔

(۸) امجد اسلام امجد، اسباب، (لاہور: جہانگیر بکس، س ن)، ۸۸، ۸۹۔

(۹) سیّد ابوالخیر کشفی، نسبت، (کراچی: اقلیم نعت، ۱۹۹۹ء)، ۶، ۷۔

(۱۰) نعت کائنات، ۴۳۹۔

(۱۱) جلیل عالی، نور نہایا رستہ، (راولپنڈی: حرف اکادمی، ۲۰۱۸ء)، ۹۱۔

(۱۲) ایضاً، ۹۴۔

(۱۳) صلاح الدین پرویز کے خطوط، (دہلی: ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، ۱۹۸۸ء)، ۵۱۔

(۱۴) ایضاً، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲۔

(۱۵) نعت کائنات، ۴۲۲۔

(۱۶) ایضاً، ۴۲۲۔

(۱۷) مجلہ نعت رنگ، (کراچی: شمارہ ۶، ستمبر ۱۹۹۸ء)، ۱۸۷۔

(۱۸) عمیق حنفی، صلصلۃ الجرس، (حیدر آباد: مکتبہ شعر و حکمت، ۱۹۷۱ء)، ۵۶۔

(۱۹) ایضاً، ۵۹، ۶۰۔

(۲۰) جیلانی کامران، ہمارا ادبی و فکری سفر، (لاہور: ادارہ ثقافت اسلامیہ)، ۶۴۔

(۲۱) عبدالعزیز خالد، زنجیرِ رم آہو، (لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز، بار سوم ۱۹۷۴ء)، ۲۵، ۲۶۔

(۲۲) امین حزیں سیالکوٹی،گلبانگ حیات،(لاہور:اُردو اکیڈمی پنجاب، ۱۹۴۰ء)،۱۲۴۔

(۲۳) ایضاً،۱۷۸۔

(۲۴) ایضاً،۱۶۴،۱۶۵۔

(۲۵) الم مظفر نگری، سدرہ و طوبیٰ،(دہلی:الجمعیۃ پریس،۱۹۵۶ء)،۴۸،۴۹۔

(۲۶) ایضاً،۳۸۔

(۲۷) ایضاً،۳۱۔

(۲۸) اثر صہبائی،بام رفعت،(لاہور:اکادمی پنجاب، ۱۹۵۴ء)،۴۹۔

(۲۹) ن۔م،راشد،کلیات،(لاہور:ماورا پبلشرز، س ن)، ۵۲۔

(۳۰) سہ ماہی تسطیر،(لاہور:اکتوبر تا دسمبر ۱۹۹۷ء، جلد ۱، شمارہ ۲)،۱۲۱۔

(۳۱) ندیم کی نظمیں (کلیات)،(لاہور:ماورا پبلشرز، س ن)،۸۷۱۔

(۳۲) ایضاً،۶۴۶۔

(۳۳) ایضاً،۱۶۱۔

(۳۴) ایضاً،۵۲۶۔

(۳۵) ماہنامہ کاغذی پیرہن،(وزیر آغا نمبر)، (لاہور:۲۰۰۹ء)،۱۰۷۔

(۳۶) وزیر آغا،نردبان،(سرگودھا: مکتبہ اُردو زبان،۱۹۷۹ء)،۶۶،۶۵۔

BIBLIOGRAPHY

- Sarshar Siddiqi, *Misāq*, (Karachi: Hira Foundation, 2002)
- Aasi Karnali, *Jashn-e Khezān*, (Lahore: Ainay-e Adab, 1968)
- *N'āt Kaiynāt*, (Compl.): Raja Rashed Mahmood, (Asnaf-e Sukhan Number), (Lahore: Jang Publication, 1993)
- Sehba Akhtar, *Iqra*, (Karachi: Maktaba Nadeem, 1981)
- Aziz Ahsan, *Kulliyat-e 'Aziz Aḥsan*, (Karachi: Naat Research Center, 2005)
- Amjad Islam Amjad, *Asbāb*, (Lahore: Jahangir Books)
- Syyed Abu Al-Khair Kashafi, *Nisbat*, (Karachi: Iqleem-e Naat, 1999)
- Jaleel Aali, *Nūr Nahaya Rastā*, (Rawalpindi: Harf Acadamy 2018)
- *Salah al-Din Parvez kay Khutūt*, (Delhi: Education Publishing House, 1988)
- Majallah *N*'ā*t Rang*, (Karachi: Vol.6, September 1998)

- Ameq Hanafi, *Silsalat-ul Jaras*, (Haider Abad: Maktaba Shair-o Hikmat, 1971)
- Jelani Kamran, *Hamara Adabi-o- Fikri Safar*, (Lahore: Idara Saqafat-e Islamia)
- Abdul Aziz Khalid, *Zanjer-e Rim Aho*, (Lahore: Shaikh Ghulam Ali and Sons, 1974)
- Amin Hazin Sialkoti, *Gulbang-e Hayāt*, (Lahore: Urdu Academy Punjab, 1940)
- Alam Muzaffar Nagri, *Sidrah wa Tuba*, (Delhi: Al-Jamiat Press, 1956)
- Asar Sahbani, *Bām-e Rif'at*, (Lahore: Academy Punjab, 1954)
- Noon Mem Rashid, *Kulliyat*, (Lahore: Mawara Publishers)
- Sehmahi Majallah, *Tastīr*, (Lahore: Vol.1, Issue 2, October-December 1997)
- *Nadīm ki Nazmein (Kulliyat)*, (Lahore: Mawara Publishers)
- Monthly *Kaghazi Pirahan*, (Wazir Agha Number) (Lahore: 2009)
- Wazir Aghza, *Nardbān*, (Sargodha: Maktaba Urdu Zuban, 1979)

❖❖❖